میمن قوم تاریخ کے آئینے میں

عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا*

خلاصہ:

اس تحقیقی مقالہ کا بنیادی مقصد میمن قوم کی تاریخ کو مرتب کرنے کی کوشش ہے .اس کے ساتھ یہ جاننا کہ کس طرح یہ قوم ہندو لوہانہ سے مسلمان ہوئی اور لفظ ''مومن'' سے میمن اور اُسکے تاریخی ارتقائی منازل جس میں سندھ کے معاشی ،سیاسی وسماجی مسائل کی وجہ سے کچھ لوگوں نے کاٹھیاوار میں ہجرت کی اور گزشتہ (٦) سو سالوں سے یہ قوم نہ صرف ہندو پاک بلکہ افریقہ ، برما، سیلون اور دنیا کے کئی ممالک میں تجارت معیشت اور خدمت خلق کے کاموں میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے .اور یہی وجہ ہے آج پوری دنیا میں اسے انتہائی عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میمن قوم بنیادی طور پر جن شعبوں میں نمایاں طور پر پوری دنیا میں مشہور ہے ان میں پہلے نمبر پر مذہبی معاملات، دوسرے نمبر پر سماجی وخاندانی نظام، تیسرے نمبر پر تجارت ومعیشت کا شعبہ اور چوتھے نمبر پر سماجی خدمات کا شعبہ جس میں اس قوم کی وسیع خدمات ہیں۔اس تحقیقی مقالے میں میمن قوم کی اساس اور اس کی ابتدائی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

انسانی زندگی میں تاریخ کی اہمیت

کائنات کے مدوجزر اور انقلاب عالم کے فلسفے میں ''تاریخ'' کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے،قوموں کے عروج وزوال، حکومتوں کی تعمیر تخریب اور پانی کے بُلبُلوں کی طرح اُبھرنے اور مٹنے والی تہذیبوں کے مضمرات اگر انسانی ذہین وشعور کو بیدار کرسکتے ہیں تو اُن کا نفسیاتی راز تاریخ میں پنہاں ہے۔انسان زمین دوز تنگ وتاریک غاروں سے نکل کر جنگلی درندوں سے نبرد آزمائی کرتا ہوا کس طرح پتھر اور لوہے کے زمانوں تک پہنچا۔بے آب وگیاہ چٹیل میدانوں سے گزر کر سرسبز وشاداب مرغزاروں میں اُس نے کس طرح اجتماعی زندگی اور قبیلہ بندی کے تمدن کی تخلیق کی؟

---

* ۵۰۸، پانچویں منزل، مچھیار امینشن، پاریہ سٹریٹ، کھارادر، کراچی۔

ابتدائے آفرینش سے اب تک کتنے معاشرے، کتنی تہذیبیں اور کتنی زبانیں عالم وجود میں آکر انقلابات کے گرم وسرد جھونکوں میں کملا گئیں، اُن کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں اُن معتبر واقعات وروایات کا سہارا لینا پڑے گا جنھیں ''تاریخ'' سے موسوم کیا گیا ہے، تاریخ کی ترتیب وتدوین میں ذہن انسانی کی پرواز ہمیشہ سرگرم عمل رہی ہے۔ واقعاتِ عالم کی چھان بین کیلئے انسان کو کیسی کیسی مشکلات جھیلنا پڑیں؟ مختلف قوموں اور ملکوں کے رسم ورواج کی روایتی کہانیاں کس طرح دھیرے دھیرے تاریخ میں تحلیل ہوتی رہیں؟ اس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ نقطہ نظر کی ناپختہ کاری کے باوجود انسان کا ذہن وشعور تاریخ کی اہمیت اور ضرورت سے بیگانہ نہیں تھا اور یہ کام حکایات، واقعات اور روایات کی شکل میں ہمیشہ لاشعوری طور پر انجام پاتا رہا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ تاریخ دنیا کے تمام علوم وفنون کا سرچشمہ ہے اور گزرے ہوئے زمانے کا ایک ایسا آئینہ ہے جس سے سبق حاصل کرکے نئی نسلیں اپنے مستقبل کو سنوار سکتی ہیں، ا''تاریخ'' علوم کی ایک انتہائی اہم اور لازمی صنعت ہے۔ کیونکہ یہی وہ واحد علم ہے جو ماضی کے تمام تجربات اور واقعات کے خزانہ کو مضبوط کئے ہوئے ہے۔ یہ وہ علم ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کی بنیادوں کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔ اگر آج دنیا سے تاریخ ختم ہوجائے تو ہمارے تمام تجربات ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں اور ہماری ماضی کی یادداشتیں ذہن سے کھو جائیں تو ہم خود کو کھوکھلا اور بے جان پائیں گے اور ہماری زندگی، تہذیب وتمدن خلاء میں معلق ہوکر رہ جائیں گے۔ اسی لئے معاشروں کی ترتیب وتنظیم کے لئے تاریخ کا ہونا ضروری ہے۔

انسان جب تک انفرادی حیثیت سے اس کائنات میں اپنی بقا کی جنگ لڑتا رہا۔ اس کی ذات فطرت کی پیچیدگیوں میں گم رہی، اور وہ کوئی تاریخ تشکیل نہیں کر پایا۔ لیکن جب وہ اجتماعی زندگی میں معاشرے، طبقوں، برادریوں اور خاندانوں میں تقسیم ہوا تو اُس نے شجرے محفوظ کرنا شروع کیئے۔ جس سے اپنی شناخت اور قومیت کے شعور کا آغاز ہوا۔ جبکہ قومیت کی تحریک میں تاریخ نویسی اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔ کیونکہ جب کوئی قوم اپنی شناخت کے مرحلہ میں ہوتی ہے اور اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو ملا کر متحد کرنے کا عمل ہوتا ہے اس وقت تاریخ نویسی کے ذریعہ ماضی کی تشکیل کی جاتی ہے جس سے قوم کی شناخت کا عمل تیز تر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ زبان کی ہیئت، ثقافتی اہمیت، لوک گیت وکہانیوں اور ماضی کے کارناموں کے ذریعے اُس قوم کے تشخص کو زندہ رکھنے کا عمل تاریخ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ برصغیر پاک وہند میں بسنے والی مختلف اقوام میں ممتاز اور ترقی میں کلیدی کردار ادا کرنے والی ''میمن قوم'' کی تاریخ اور اُن کی معاشی، معاشرتی اور سماجی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

تہذیب اور ثقافت

انسان کی تندرستی، صحت اور نشو و نما کے لئے ضروری ہے کہ اس کا جسم اور اس کی روح دونوں ہی ترقی پذیر ہوں، بالکل اسی طرح کسی قوم کی ترقی تب ہی ممکن ہے جب اس کی تہذیب وثقافت کا تحفظ کیا جائے. ثقافت یعنی ''روح'' اور تہذیب یعنی. ''جسم''۔ انسانی زندگی دو پہلوؤں پر مشتمل ہے. ایک ''مادی'' اور دوسرا ''روحانی'' مادی پہلو کی نمائندگی ''تہذیب'' کرتی ہے اور روحانی پہلو کی نمائندگی ''ثقافت'' کرتی ہے۔

زمانہ قبل تاریخ میں تہذیب کا وجود ہر قوم میں پایا جاتا ہے خواہ وہ قوم قدیم ہو یا جدید، البتہ یہ تہذیب کہیں ادنیٰ درجے کی ہوتی ہے اور کہیں اعلیٰ درجے کی۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی قوم ہو جس کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ وہ تہذیب سے نا آشنا ہے، کائنات عالم کی مختلف تہذیبیں اور مختلف معاشرے ایک ایسی اجتماعی زندگی کے مرہونِ منت ہیں جس کی ضرورت ابتدائے آفرینش سے محسوس کی گئی ہے کیونکہ انسانی زندگی کی روزمرہ ضروریات کو پورا کرنا کسی فرد واحد کے بس کی بات نہیں۔ انسان کی اجتماعی زندگی کا ابتدائی تصور شاید حیوانات کے غول در غول پھرنے اور اس نظم وضبط سے اخذ کیا گیا تھا جس کے جیتے جاگتے نمونے جنگلوں اور صحراؤں میں دیکھے گئے۔ انسان جب قبائلی زندگی سے دوچار ہوا تو ضروریات زندگی کے پھیلاؤ نے اُسے مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لئے اجتماعی زندگی کے معاشرے نے انہیں الگ الگ نام دے کر مختلف گروہوں اور طبقات میں تقسیم کر دیا، اور یہی نظم وضبط آگے چل کر ایک تمدن اور تہذیب کا روپ اختیار کرتا چلا گیا۔۲

''میمن'' تاریخ کی روشنی میں

تاریخ زبان اور کردار ایک قوم کا تشخص ہوتے ہیں۔ میمن کسی مذہب، ملک یا نظریہ کا نام نہیں ہے. بلکہ یہ ایک تاریخ ساز قوم کا نام ہے سندھ کی قدیم اور کثرت سے آباد ہونے والی قوموں میں ''میمن'' ایک اہم اور ممتاز مقام رکھنے والی قوم تصور کی جاتی ہے۔ ان کی نسل اور ابتداء کے بارے میں مشرقی اور مغربی محققین نے کافی تحقیق کی ہے اور اکثریت کے خیال میں ''میمن'' قوم اصل میں قدیم ہندو لوہانہ قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے اسے قدیم زمانے سے سندھ کی صنعت وحرفت، تجارت ومعیشت اور خاص کر کپڑے کی پیداوار اور تجارت میں ہمیشہ سے ہی نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔

کوری

سندھ میں قدیم ترین ذاتوں میں کوری ایک اہم ذات ہے. اور یہ ذات قدیم زمانے سے کپڑا بنانے کا کام کرتی ہے. سندھی زبان میں نئے کپڑے کو ''کورو'' کہا جاتا ہے، لفظ کورو سندھ میں کوری ذات جو کپڑا بنانے سے وابستہ ہے اُس ہی سے نکلا ہے۔ قدیم آثار سے یہ بات ثابت ہے کہ ہزاروں سالوں سے سندھ میں کپڑا بنانے کا ہنر موجود ہے جس سے سندھ میں کوری ذات کی موجودگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سندھ میں کپڑا بنانے کا ذکر آریاؤں کی قدیم کتاب ''رگ وید'' میں بھی ملتا ہے اس کے علاوہ پانچ سو سال قبل مسیح میں یونانی مورخ ھیروڈوٹس نے اپنی تاریخ کی کتاب میں سندھی کپڑے کا ذکر کیا ہے جو مصر، بابل اور سمندر کے کناروں پر واقعہ ملکوں میں استعمال ہوتا تھا۔ سندھ کی ململ ''سندھن'' کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ عہد نامہ جدید میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب کے بعد سندھن کے کپڑے میں لپیٹ کر تابوت میں ڈالا گیا تھا۔ ان تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ سندھ کا کپڑا خصوصاً سندھ کی ململ قدیم زمانے سے دنیا کے مختلف خطوں میں جاتی تھی اور بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔[۳]

سندھ کی قدیم اور بنیادی کتاب ''چچ نامہ'' جس میں سندھ میں مختلف ذاتوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے جس کے تحت سندھ میں آباد مختلف ذاتیں جس میں سما، سھتا، لاکھا، چنا، جت اور لوہانا کا ذکر ملتا ہے. آج بھی ہم سندھ میں دیکھیں تو سما، سھتا، لاکھا، چنا اور جت اپنے اسی ناموں سے موجود ہیں۔ صرف لوہانہ ذات سندھ کے مسلمانوں میں موجود نہیں ہے. جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوہانہ جب مسلمان ہوئے۔ ان میں خوجہ اسماعیلی، بوہری خوجہ اور مومن یا ''میمن'' شامل تھے۔

سندھ میں آباد قدیم ذاتوں میں کنبھار اور موچی اپنی ذات ''چنا'' ظاہر کرتے ہیں۔ سندھ کے (چار پائی بنانے) کارپینٹر اور دھوبی اپنی اصلی ذات ''سومرا'' بتاتے ہیں۔ ''سما، سھتا، اور لاکھا'' زراعت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ اور جت اونٹوں کے بچوں کو پالنے پوسنے کا کام کرتے تھے۔ اب صرف لوہانہ ذات رہتی ہے جس کو کوری کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ سندھ میں کاروبار کرنے والی بھی لوہانہ قوم تھی۔ کیونکہ سما، سھتا، چنا، جت کا کاروبار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوری نسل جو کپڑے بنانے اور تجارت کرنے والی قوم ہے ''لوہانہ'' قوم سے تعلق رکھتی تھی۔[۴]

لوہانہ قوم تاریخ کے آئینہ میں

اب سوال یہ ہے کہ لوہانہ کون ہیں؟ لفظ ''لوہانہ'' دو لفظوں کا مرکب ہے۔ ''لو'' اور ''ہانہ'' جس کا مطلب ہے ''متعلقہ'' اس سے ملتا جلتا ایک اور لفظ ''موہانہ'' ہے جس کا ترجمہ مچھلیوں سے متعلقہ لفظ ہے۔ اور آج بھی موہانہ قوم کراچی کے ساحل کے پاس آباد ہے اور مچھلیوں کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔ ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے لوہانہ قوم کو آریائی زمانے کے عہد حکومت سے متعلق قرار نہیں دیا جاسکتا، اس سے یہ اخذ کیا گیا کہ یہ ایک خالصتاً سندھی لفظ ہے اور وہ برادری جو اس نام کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے یہ بھی آریائی نہیں ہے بلکہ یہ سندھ کی اصل اور قدیم ترین برادری ہے۔[۵] ہندو مذہب (وید) کے مطابق:۔

''لوہانہ قوم'' کی تاریخ ہندو مذہب میں قدیم ترین اقوام میں شمار کی جاتی ہے۔ جس کی تاریخ موہنجوداڑو کے کھنڈرات سے وابستہ تاریخ سے ملتی ہے۔ ہندومت میں راجہ رگو یر کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی چار اولادیں تھیں جس میں رام Rama، لکشمن Laxmana، بھرت Bhrat، شترو گھنہ Shatrughan تھے۔ ہندومت میں ان چار میں رام Rama کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رام Rama نے اپنی سلطنت کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا، جو اُس نے اپنے تین بھائیوں لکشمن Laxman، بھرت Barat، شترو گھنہ Shatrughana، اور اپنے دو بیٹوں (۱) کوش Kush، (۲) لوہا Luva، میں تقسیم کردی۔ لوہا Luva کشمیر سے لے کر شمال مشرقی موجودہ سندھ ٹھٹھہ، نیرون کوٹ، موجودہ حیدرآباد دیبل (کراچی) کے علاوہ نواب شاہ، شہزاد پور، سنجھوڑ اور ہالا کے علاقے پر حکمران ہوئے اور جسے لوہانہ پرگنہ کہا جاتا تھا۔

لاہور کے متعلق جو قدیم روایت ملتی ہے جس میں رام چندر جی اور ان کی بیوی سیتا سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ رام کے بیٹے ''لوہا'' نے اپنی ماں کی یاد میں دریائے راوی کے کنارے آبادی قائم کی۔ ''لوہانور'' ''لیور'' وغیرہ مختلف ناموں سے اب یہ ''لاہور'' بن گیا ہے۔[۶]

لوہانہ قوم کی ۱۰۸ خاندان یا نکھیں

لوہانہ قوم ۱۰۸ خاندانوں میں بٹی ہوئی تھی اور ہر خاندان کا ایک علیحدہ نام تھا جسے سندھ میں ''نکھ'' کہتے تھے۔ آج بھی ہم خوجہ، بوہری اور میمن قوم پر نظر دوڑائیں تو بہت سی برادریوں میں یہ خاندانی نکھیں تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ موجود ہیں۔ مذکورہ بالا ۱۰۸ قدیم ''نکھوں'' میں ۶۰ قدیم نکھوں کے نام ''ابرازالحق'' کے حوالے سے نقل کیے ہیں، بقیہ نکھوں کا سراغ لگانا بہت مشکل ہے۔

نکھوں کے نام یہ ہیں

کوتک	ٹٹا	سومی یا	گندا	پوپٹ	گھڑی گھڑاتہ
مجیٹیا	کیترا	نرم	چوکھاسوتا	سویسر	ربیا
گھکو	چندنانی	گہتا	مارتک	اودوانی	سکرانی
کھوڑا	امبیا	یارکریہ	روپاریل	جوبن پوتڑا	ٹھوڑا
کاریا	سوناگیلا	بھنڈی	ڑاڑیا	کھوڈڑا	آڈٹھکر
پھوبدوعا	جیکیا	راچ	کاٹھ	پڑن	رانا
کھکو	چندن	روکھانا	ٹھکرال	لوڑیا	لاک
سیندرروا	آسکرہ	راکنریا	کھوکھڑیا	رائی چنا	گل بدوعا
ٹریا	پاباریا	گجن مٹھیا	کیسریا	چوچک	پاندھی
سباگر	پلیا	می ڈور	ناردانی	چیدیمن سکیا	چیدے آڈوپوٹرا ۷

سندھ پر مختلف خاندانوں کی حکومتیں

راجہ ہند کے زمانے میں

راجہ ہند کے زمانے میں لوہانہ قوم سندھ میں کثرت سے آباد تھی راجہ ہند کے بیٹے کفنڈ کے زمانے میں ۳۲۷ ق م میں سکندر اعظم سندھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ راجہ ہند کے بعد سبہیہ'' تاک'' اور'' مومید'' خاندان سندھ پر حکمران رہے۔

رائے خاندان کا عہد حکومت

چھٹی صدی عیسوی میں سندھ پر رائے خاندان کی حکومت تھی اور یہ خاندان ۱۳۷ سال تک حکومت کرتا رہا، سہادسی اس خاندان کا سب سے بڑا راجہ گزرا ہے۔ اور تاریخ میں اُس کو انتہائی عزت واحترم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

برہمن خاندان کا عہد حکومت۔

رائے خاندان کے عہد حکومت کے بعد سندھ میں برہمن خاندان کا عہد حکومت شروع ہوا، راجہ چچ برہمن خاندان کا پہلا راجہ تھا، دراصل راجہ چچ کے زمانے ساتویں صدی عیسوی سے سندھ کا تاریخی زمانہ شروع ہوتا ہے۔ [۸] جب مسلمان مورخوں اور سیاحوں نے سندھ کے حالات قلمبند کرنا شروع کیے۔ اس سے قبل ہندوؤں نے سندھ کی تاریخ مرتب کرنے پر توجہ نہیں دی تھی۔ یہ خلفائے راشدین کا دور تھا اور عرب سے ابھرنے والا اسلام کا سورج تیزی سے چاروں طرف پھیل رہا تھا۔

سندھ پر مسلمانوں کی فوج کشی کے اسباب

ہندو راجہ چچ نے سندھ کے تمام راجاؤں اور حکمرانوں کو اپنا مطیع کر لینے کے بعد ۹۲۵ میں مکران جو اس زمانے میں مسلمانوں کے زیر حکومت تھا اس کی سرحد پر فتنہ وفساد اور لوٹ مار، کا بازار گرم کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں راجہ چچ نے دوسری مرتبہ مکران کی سرحد پر فساد برپا کیا۔ عبدالرحمٰن بن ثمر نے حضرت عثمانؓ کے حکم پر جوابی کاروائی کی اور اس فتنہ کو رفع کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے عہد خلافت میں پھر مکران کی سرحد پر بغاوت رونما ہوئی ،حضرت علیؓ کے حکم پر حارث بن عامر نے جوابی کاروائی کر کے بغاوت کا قلع قمع کیا۔ راجہ چچ اپنے فتنے فساد کی حرکتوں سے باز نہیں آیا جس کی وجہ سے امیر معاویہؓ، عبدالما لک بن مروان اور ولید بن عبدالملک کے دور میں سندھ پر فوج کشی کی گئی لیکن اُس میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ۹

سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ اور سندھ کی فتح

مسلمانوں کو راجہ چچ کے بعد اُس کے بیٹے راجہ داہر کی وجہ سے سندھ مکران سرحد پر اکثر فتنے فساد کے مسائل کا سامنا رہتا تھا جس کی وجہ سے مسلمان حکمران مسلسل مسائل کا شکار رہتے۔ اس کے علاوہ سندھ پر حملہ آور ہونے کی بہت سی دوسری اور وجوہات ہیں۔ راجہ داہر کی مسلمانوں کے ساتھ متعدد معرکوں میں کامیابیوں کے بعد وہ بے حد متکبر ہو گیا تھا۔ اور اُس نے عرب باغی قبیلے بنی اسامہ کے مسلمان علاقائی سرداروں کو جنہوں نے سید بن اسلم الکلابی کو شہید کیا تھا، پناہ دے رکھی تھی اور اپنے دربار میں ممتاز عہدوں پر فائز کر رکھا تھا۔

اسی زمانے میں جزیرہ سراندیپ (موجودہ سری لنکا) کے حکمران نے خلیفہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف جو اُن دنوں عراق کے گورنر تھے کی خدمت میں قیمتی تحائف حبشی غلام، کنیزیں اور قبیلہ بن عزیز کی ان عورتوں کو بھی اس قافلہ میں شامل کر دیا جن کے مرد وہاں پر تجارت کے غرض سے گئے تھے اور جو مر کھپ گئے تھے۔ اور اب ان عورتوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ اُن کو آٹھ کشتیوں میں سراندیپ سے عراق کے لئے روانہ کیا۔ اتفاق سے بحیرہ عرب میں زبردست طوفان آجانے کی وجہ سے وہ کشتیاں دیبل کے قریب ساحل سمندر پر آنکلیں جہاں دیبل کے باشندوں نے جو ''نکاصرہ'' قوم سے تعلق رکھتے تھے انہیں لوٹ لیا اور عرب عورتوں، غلاموں، اور کنیزوں کو گرفتار کر لیا۔ جنہیں دیبل کے حاکم جاہین بدھ نے قید کر لیا، ۱۰ حجاج بن یوسف کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے فوراً راجہ داہر کو ایک خط لکھا جس میں مسلمان قیدیوں کو فوراً رہا کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ جواب میں راجہ داہر نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا اور انتہائی لاپروائی سے جواب دیا کہ اول تو اسے اس واقعہ کا کوئی علم نہیں اور دوسرا یہ کہ وہ اس

سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے۔ تکبر میں یہاں تک کہہ دیا کہ آپ خود تشریف لا کر ان بحری قزاقوں کی خبر لیں۔ راجہ داہر کا یہ جواب مسلمانوں کے لئے ایک کھلا چیلنج تھا، چنانچہ حجاج بن یوسف نے بذیل بن طہفہ کو سندھ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جسے راجہ داہر کے بیٹے جے سی نے شکست دے کر شہید کر دیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے چچازاد بھائی محمد بن قاسم کو سندھ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا، محمد بن قاسم مکران کے راستے ارابیل اور قندابیل فتح کرتا ہوا دیبل پر حملہ آور ہوا۔ دیبل فتح کر لینے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور ''جم'' موجودہ جمپیر کے مقام پر راجہ داہر کو شکست دی۔ راجہ داہر اس جنگ میں قتل ہوا اور محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر لیا۔ [۱۱]

اسلامی تعلیمات کے لوہانہ قوم پر اثرات

سندھ میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً تین سو سال تک قائم رہی۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں سندھ میں لوہانہ قوم پر اسلامی ثقافت اور روحانیت کا گہرا اور غالب اثر پڑا اور یہ قوم دل سے اسلامی تعلیمات کی قدر کرنے لگی۔ سندھ کی ہندو لوہانہ قوم بتدریج دین اسلام کی طرف مائل ہوئی اور آٹھویں صدی کے آواخر اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں اس قوم کے افراد نے جوق در جوق دین اسلام قبول کیا۔ [۱۲]

''میمن'' قوم محققین کی نظر میں

آئیں دیکھیں کہ میمن قوم پر محققین، مورخین، اور اہل علم کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں میمن برادری کی تاریخ کے بارے میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ۱۷۶۲ء میں ''میرات احمدی'' فارسی زبان میں شائع ہوئی جس کا اردو ترجمہ تاریخ اولیاء گجرات مولانا ابوظفر ندوی نے ۱۹۳۰ء میں کیا۔ ۱۸۷۰ء میں ابرازالحق میمن تواریخ ۱۹۰۵ء تاریخ کچھ و مکران، تحفۃ الزائرین، بمبئی گزیٹر، پریچنگ آف اسلام، مسلم آف گجرات، سندھ گزیٹر، مسلم کمیونٹی آف انڈو پاک میمن شخصیات، اور تاریخ دوراجی، کتیانہ، اُپلیٹا، بانٹوا اور جیت پور وغیرہ کے علاوہ بھی دیگر کئی کتب میں میمن قوم کی تاریخ کے حوالے ملتے ہیں۔ اب ہم ''ابرازالحق'' کی تفصیل بیان کریں گے جس سے ہمیں میمن قوم کی ابتداء کا اندازہ ہو سکے۔ ۱۸۷۳ء مطابقت ۱۲۹۰ھ میں سید امیر الدین نزہت نے جو اصل میں بریاپور کا رہنے والا تھا۔ بعدازاں اس نے بمبئی میں رہائش اختیار کی۔ کچھ مندراں کے ایک پیر سید بزرگ صادق علی کی ترغیب پر بمبئی سے یہ کتاب شائع کی۔

تاریخ میمن قوم بمطابق رسالہ ابرازالحق

ابرازالحق کے مصنف سید امیر الدین نزہت کے مطابق ۸۲۴ء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث اعظمؒ) کے بڑے فرزند سید تاج الدین کی پانچویں پشت سے پیر یوسف الدین کو حضرت تاج الدین کے روضے سے بشارت ہوئی

کہ آپ سندھ جا کر تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ ۸۲۴ھ میں نگر ٹھٹھ تشریف لائے۔ یہاں اہلِ اسلام مختصر اور کفار زیادہ تھے۔ مگر یہاں کے حاکم مسلمان تھے اور سلطان محمود کو خراج دیتے تھے۔ اس وقت سندھ کا حاکم مرکب خان اور وزیر ایوب خان دونوں آپ کے مرید بن گئے۔ پیر یوسف الدین نے عرصہ قلیل میں ایک جماعت کو کافروں سے مسلمان کیا جن میں میمن قوم بھی شامل تھی۔ ۸۲۴ھ میں یہ لوگ مسلمان ہوئے۔ میمن قوم ابتداء میں ہندو تھی' ان کی قوم ''موما'' تھی۔ (موما سندھی زبان میں لوہانوں کو کہتے ہیں) ان کا اصل ملک سندھ تھا۔ زمانہ قدیم سے یہ لوگ معزز رہے ہیں اور ان کی قوم میں ۸۴ گروہ یعنی ۸۴ ذاتیں تھیں اور ہر ایک ذات کا نام یعنی لقب جدا گانہ تھے۔ (کچھی زبان میں لقب کو نکھ اور یہاں کی زبان مین اٹک کہتے ہیں)۔ اول جو اسلام لائے ان کا نام مانک جی تھا اور وہ اپنے گروہ کے پٹیل یعنی سردار تھے۔ ان کے بیٹے کا نام ریو جی تھا۔ ان کا نام حضرت نے بعد میں احمد رکھا۔ احمد کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے دو نے اسلام قبول کیا اور ایک حالت کفر میں رہا۔ ان میں ایک کا نام سُندر جی دوسرے کا نام ہنسراج تھا۔ حضرت صاحب نے سندر جی کا نام آدم رکھا اور ہنسراج کا نام تاج محمد رکھا اور ان کو ان کی قوم و جماعت کا سردار مقرر کیا یعنی سرداری کی پگڑی بندھوائی۔ الغرض جب شہر کے دونوں حاکم اعلیٰ اور جماعت کے یہ سردار اسلام لائے پھر خاص و عام لوگ بھی علی الا اعلان دعوت اسلام قبول کرنے لگے بعد ازاں لوہانوں کی ۸۴ ذاتوں میں سے یک لخت ۷۰۰ گھروں کے لوگ اسلام سے مشرف ہوئے۔ ان سب لوگوں کو نہایت خوش اعتقادی کے باعث حضرت صاحب نے خطاب و لقب مومن سے نوازا۔ ''مومن'' خطاب کثرت استعمال سے بدل کر میمن ہو گیا۔[۱۳]

تاریخی کتاب میراتِ احمدی کے مطابق

میراتِ احمدی گجرات کی ایک نہایت ہی قابل اعتماد اور معلومات افزا تاریخ کی کتاب شمار ہوتی ہے۔ یہ کتاب ۱۷۶۱ء میں فارسی میں شائع ہوئی اس کا اردو ترجمہ مولانا ابوظفر ندوی نے ۱۹۳۰ء میں کیا جس کے دوسرے حصے میں پیر امام الدین کے بارے میں اس طرح ذکر ملتا ہے کہ کئی لوگوں نے سید امام الدین کے ہاتھوں قبول اسلام کیا اور یہ کام اب تک ان کی پشت میں جاری ہے' اور کئی مسلمان ہوئے ہیں اور ان نئے مسلمانوں کو ان کی بولی میں مومنا کہا جاتا ہے۔[۱۴]

ایران سے امام شاہ نامی سید گجرات آئے اور ''جرمتھا'' گاؤں کے بڑوں نے امام شاہ کو بزرگ جان کر ان سے بارش کی دعا کے لیئے درخواست کی۔ امام شاہ نے کہا کہ ابھی بارش ہو گی اور واقعی بارش ہوئی۔ چنانچہ ان کو پیر تسلیم کیا گیا۔ امام شاہ کی زندگی میں ایک بار گجرات کے ہندوؤں کا ایک گروہ کاشی جانے کو نکلا تو جرمتھا میں ٹھہرا اس میں سے چند لوگ امام شاہ کے درشن کے لیئے گئے امام شاہ نے ان سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو انھوں نے بتایا کہ کاشی امام شاہ

نے کہا کہ اگر تم لوگوں کے دل سچے ہوں گے تو کاشی کی یاترا یہیں ہوگی۔ رات کو سب سو رہے اور صبح اٹھے تو کاشی دیکھی سب نے گنگا جی میں اشسنان کیا اور دیودرشن کیئے اور کاشی کی ہندیاں بھنا کر براہمنوں کو کھانا کھلایا پھر رات سو رہے دوسری صبح کو اٹھے تو اپنے آپ کو پیرانا کے مقام پر پایا۔ اس طرح امام شاہ نے جنھیں متقد بنایا وہ ''مومنا'' کہلائے۔ ۱۵

تاریخی کتاب لوہانہ قوم کی اساس کے مطابق

۱۹۱۳ء میں شائع ہونے والی کتاب *لوہانہ قوم کی اساس اور اس کی تاریخ* کے مصنف شری اودھم جی تسی داس تنا نے بھی مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں اس طرح تذکرہ کیا ہے: ''احمد آباد کے قریب واقع پیرانا گاؤں میں امام شاہ بابا نے لوہانہ اور براہمنوں کو مسلمان بنایا اور ان کو ''کھوجہ'' نام دیا۔ (*لوہانہ قوم کی اساس صفحہ ۱۹۱-۱۹۲*) ''بدھی پرکاش'' میں امام شاہ اور مومنا کے بارے میں جو قصہ درج ہے تقریباً اسی قسم کا ایک واقعہ میمنوں کے بارے میں مشہور ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس میں متعلقہ مقام کا نام پیرانا کے بجائے نگرٹھٹھ ہے اور پیر کا نام امام شاہ کے بجائے حضرت پیر پٹھ ہے۔

اس قصے کے مطابق پنجاب میں اس زمانے میں لوہ گڑھ نامی ایک شہر تھا۔ نگرسیٹھ لوہانہ برادری سے تھے ان کے پاس سب کچھ تھا لیکن اولاد نہ تھی۔ نگرسیٹھ نے اس سلسلے میں کاشی کی یاترا کرنے کا فیصلہ کیا اس زمانے میں یاترا کے لیئے ایک گروہ بنا کر جاتے تھے اور جب کوئی مال دار یاترا کے لیئے جاتا تو اپنے خاص رشتہ داروں، عزیزوں، نوکروں، اور خادموں کو بھی اپنے خرچہ پر ساتھ لے جاتا۔ اور عام لوگ بھی اپنے اخراجات پر جانے والے اس میں شامل ہو جاتے اور اس طرح کئی افراد کا قافلہ بنتا۔ اس طرح نگرسیٹھ سات سو افراد کا قافلہ لے کر یاترا کے لیئے نکلے۔ چلتے چلتے ایک روز یہ قافلہ نگرٹھٹھ پہنچا اور ایک فرد کی طعبیت خراب ہونے کے باعث وہاں رکا۔ قافلے کے چند افراد نے حضرت پیر پٹھ کے پاس جا کر اپنے بیمار ساتھی کی کیفیت بیان کی اور دوا دینے کی گزارش کی۔ پیر صاحب نے ان کو دوا عنایت کی جس سے مذکورہ شخص کو فوراً آرام آ گیا۔ نگرسیٹھ اور ان کی بیگم بھی پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش بیان کی اور روانگی کے وقت پیر صاحب کو اپنے مقام پر مدعو کیا۔

قافلہ علی الصبح روانہ ہونے والا تھا۔ پیر صاحب نے چوکیداری کی ذمہ داری اپنے سر لے کر سب کو سو جانے کو کہا اور خود پڑاؤ کے چاروں اطراف چکر لگاتے رہے۔ صبح جب لوگ اٹھے تو انھوں نے حیرانی کے ساتھ دیکھا کہ وہ سب کاشی مندر کے پاس گنگا کے کنارے پر ہیں۔ پیر صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے حیرانی کے باوجود پوجا پاٹھ وغیرہ کیا۔ پیر صاحب اس وقت اپنے خیمے میں یادالٰہی میں مصروف رہے۔ قافلہ کئی روز وہاں رہا لیکن جب انھوں نے

واپسی کا قصد کیا تو پیر صاحب اس رات پھر وہ پڑاؤ کے ارد گرد چکر لگاتے رہے صبح جب لوگ اٹھے تو انھوں نے اپنے آپ کو نگر ٹھٹھ میں پایا پیر صاحب کی کرامات کی وجہ سے قافلے والوں کا ان پر بھروسہ بڑھتا گیا چنانچہ انھوں نے مل کر ان سے اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس طرح سات سو افراد کا قافلہ مسلمان ہو گیا. پیر صاحب نے ان کو ''مومن'' نام سے نوازہ جو بعد میں ''میمن'' ہو گیا۔[16]

تاریخی کتاب تحفۃ الزائرین کے مطابق

تحفۃ الزائرین کے مصنف مفتی محمد طفیل احمد نقشبدی قادری نے لکھا ہے کہ جید عالم شیخ المشائخ سید حضرت عبداللہ شاہ اصحابی مکلی کی پہاڑی پر مصروف عبادت تھے۔ برہموں کا ایک گروہ ''واردھا اشنان'' کے لئے ہندوستان جارہا تھا انھوں نے رات کو آپ کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا اصحابی بابا کو معلوم ہوا کہ وہ بت پرست ہیں. آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دین متین کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسلام کی حقانیت سے انہیں روشناس کرایا وہ لوگ بجائے ماننے کے مطالبہ کرنے لگے کہ جس مقصد کے لئے ہم جارہے ہیں اگر آپ کے خدائے ذوالجلال میں اتنی طاقت ہے تو رات ہی رات ہم یہیں پر ''واردھا اشنان'' کر لیں۔ یہ سن کر اصحابی بابا نے فرمایا کہ انشاء اللہ میرا رب ایسا ہی کرے گا. آپ واپس آستانے میں آگئے۔ جب صبح ہوئی تو پورا گروہ بمعہ اپنے سردار بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ آکر آپ کے قدموں پر گر پڑے اور آپ کے دست حق پر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی التجا کی۔ اصحابی بابا نے سب کو زیور اسلام سے آراستہ کیا کلمہ توحید پڑھتے ہی ان کے دلوں کی کایا پلٹ گئی۔

اس گروہ کے سردار کا نام اصحابی بابا نے شیخ عثمان رکھا، اس سردار نے ہمیشہ کے لئے آپ کی غلامی میں رہنے کی استدعا کی جس کو اصحابی بابا نے قبول کر لیا اور دوسروں نے خصوصی طور پر تین دعاؤں کے لیئے عرض کیا۔ ایک تو یہ کہ ہماری اولاد کثرت سے ہو۔ دوسری یہ کہ تجارت کا پیشہ ہم میں قائم رہے تیسری یہ کہ خوبصورتی کا خصوصی امتیاز ہمارے اندر رہے۔ اصحابی بابا نے فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا. بعد میں انہیں دین متین پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ مساجد بنانے دین کے کاموں میں سبقت لے جانے کی بھی نصیحت فرمائی۔ یہ قوم لفظ ''مومن'' سے بدل کر ''میمن'' کی حیثیت میں آج بھی دنیا میں موجود ہے الحمد اللہ خوشحال ہونے کے ساتھ دین سے بھی لگاؤ ہے۔[17]

تاریخی کتاب تاریخ کچھ و مکران معہ حالات میمنان کے مطابق

مرزا کاظم رضا برلاس کی لکھی ہوئی کتاب *تاریخ کچھ و مکران معہ حالات میمنان* جو ١٩٠٥ء میں مرادآباد سے شائع ہوئی اُس میں مصنف میمنوں کے بارے میں کسی تعصب کا شکار تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ میمن دوسری مسلمان قوموں

سے ملتے جلتے نہیں ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اپنی قوم کے لیے کرتے ہیں۔ جب کہ مصنف نے کتاب میں بے شمار حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔

مصنف مرزا کاظم رضا برلاس *تاریخ کچھ و مکران بمع حالات قوم میمنان* میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں قوم میمن کثیر التعداد تجارت پیشہ انسانوں کی جماعت ہے۔ زمانہ قدیم میں اس قوم کی عجیب دلچسپ سرگزشت پائی جاتی ہے۔ اس گروہ کے بعض صوفی عرب نسل سے ہیں اس بنیاد پر یہ اپنے آپ کو دیگر نومسلم اقوام ہندوستان سے ممتاز بتاتے ہیں بلکہ اس خیال کا یہاں تک اثر ہوا کہ ماسوائے اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو لفظ لوک یعنی کم تر کے نام سے پکارتے ہیں۔ خود کو شریف سمجھتے ہیں' جب کبھی کوئی اسلامی کام پیش آئے تو صاف کہتے ہیں اپنی قوم کی ہی مدد کرنا، ان لوگوں میں نہ ملنا' ان کی مدد نہ کرنا' اس گروہ کے متمولون نے آج تک جو کچھ کیا وہ صرف اپنی ہی قوم کے لئے کیا ہے۔ جماعت خانہ' مسافر خانہ' مدرسہ وغیرہ صرف اپنی ہی قوم کے واسطے مخصوص بناتے ہیں۔ عام مسلمان کو ان سے مستفیض نہیں ہونے دیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گروہ کیسے وقت با کراہ' و جبر اسلام لایا ہے۔ اس قوم کی بود و باش قدیم الایام سے جزیرہ نما کچھ میں ہے جو ہندوستان کے غربی کنارہ پر ملک سندھ و کاٹھیاواڑ کے سمندر کی کھاڑی میں ایک وسیع و عریض جزیرہ ہے جس کا شمال و مغرب کا کنارہ سندھ و بلوچستان کی حدود سے ملحق ہے۔ اس الحاق کی وجہ سے اس کو جزیرہ نما کہتے ہیں۔

بعض میمنوں کا یہ قول ہے کہ ہم کسی بیرونی مقام سے ہند میں داخل نہیں ہوئے یہ درست ہے کہ یہ لوگ قصبہ مامون سے آئے ہیں۔ بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ ہم عرب نسل سے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ بلوچستان کے باشندوں کو نسل عربؔ سے سن کر اپنے آپ کو عرب نسل سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ ابتدائی زمانے میں عرب میں دستور تھا کہ ہر شخص کسی ایک قبیلہ سے متعلق ہوتا تھا اور وہ اس قبیلہ کے نام سے پہچانا جاتا تھا جبکہ انکے گروہ میں پیشوں سے متعلق لفظ نکھ مروج تھا جس کی تعداد چوراسی تک پہنچی تھی۔ میمنوں میں بھی دو تین اس طرح کے اسماء تعارف موجود ہیں جس کی ابتدائی شہرت ان کے ناموں کے ساتھ لپٹی آتی ہے یعنی کچھی وغیرہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عرب نہیں خاص الخاص ہندی ہیں اور جس جگہ سے ابتدائی بود و باش اختیار کی اس جگہ کے نام سے یا پیشوں سے مشہور ہوئے۔

اب رہا لفظ میمن کو شہرت کس وقت اور کس وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ عہد فرخ سیر اورنگزیب عالمگیر میں سکھوں نے مذہبی معاملات کے سلسلے میں امن و امان اثر انداز ہوا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی اس فتنے کو ختم کرنے کے لئے بادشاہ غازی فرخ سیر نے نہایت جواں مردی سے ان کا قلع قمع کیا۔ اس وقت سکھ پنجاب و سندھ میں فرار ہو گئے۔ جب سرداران شاہی نے ان کے خلاف اقدامات کا ارادہ کیا تو سکھوں نے خوف سے اپنی

صورتیں بدل ڈالی اور نام تبدیل کر دیئے۔ ان کی حالتیں غیر ہو گئیں کیونکہ شاہی حکام چن چن کر ان کو گرفتار اور سزا دینے لگے۔ اس دوران شاہی حکام نے کچھ وغیرہ کے لوگوں کے طرف سے مشکوک نظر سے دیکھا تو وہ اپنی جان وامان کے لیے کچھ کے مسلمانوں کے ساتھ اپنے آپ کو بہت جلد 'ماموں' مشہور کر دیا۔ اور اس قدیم گروہ کے سارے شک سے ان کی جان بچی اور اختلاف شکل سے وہ لفظ میمن بن گیا جو آج تک مروج ہے۔ اس وقت بہت سے سندھی اور سکھ بھی مسلمان ہو کر میمن ہو گئے جن سے ان کی جان بچ گئی۔[18]

میمن قوم عبدالرحمٰن اسیر کے مطابق

میمن قوم کی تاریخ اور اس کی اساس پر تحقیقی کتاب 'اساس میمن قوم' میں عبدالرحمٰن عبدا [illegible] اسیر کے مطابق نگر ٹھٹھ کو میمنوں کا مقام اساس ان کے میمن ہونے کو کسی بزرگ کی کرامت اور ہمارے تاریخ پیدائش اور لفظ ''میمن'' کا ''مومن'' سے نکالنا ثابت کرنے والی تواریخ بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ''میمن'' لفظ ''مومن'' سے نہیں بلکہ ''مامون'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ ہماری اساس کا اصل مقام سندھ میں نگر ٹھٹھ نہیں بلکہ سندھ کی مغرب میں واقع براہمن آباد ہے۔ ہم نگر ٹھٹھ کے لوہانہ تاجر نہیں بلکہ براہمن آباد کے شاہی لوہانہ شتری ہیں اور ہماری اساس کی تاریخ پندرہویں نہیں بلکہ ساتویں صدی ہے۔[19]

میمن قوم ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کے مطابق

سندھ کے ممتاز ادیب میمن ڈاکٹر عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں ''میمنوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔ خلیفۃ المسلمین کے جو نمائندے سندھ میں موجود تھے وہ اس بات سے سخت فکرمند تھے کہ مقامی آبادی بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہی تھی۔ ظاہر ہے اسلام قبول کرنے کے بعد جزیہ ادا کرنے کی ذمے داری سے آزاد ہو جاتے تھے۔ اس سے جزیہ کی حصول پر اثر پڑ رہا تھا۔ مگر میمنوں نے جو ایک تاجر برادری کے حوالے سے بھی پہچانی جاتی تھی اس نے ان حالات کے باوجود اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے کا سلسلہ جاری رکھا اور ظاہر ہے اس کے نتیجے میں یہ جزیہ ادا کرنے سے بھی بچ گئے۔ لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ لوہانوں نے محض جزیہ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا یا وہ اس مذہب کو اسلامی مبلغوں سے اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر قبول کیا۔''[20]

رچرڈ برٹن اور ''ہیوز'' کے مطابق

تاریخ نویس رچرڈ برٹن اور ہیوز لکھتے ہیں ''میمن'' ریاست کچھ میں مسلمان ہوئے تھے۔[21] اس نظریہ کو رد کرتے ہوئے سندھ کے ممتاز دانشور تاریخ نویس سراج الحق میمن بلیٹن ۱۹۷۰/۷/۱ میں لکھتے ہیں کہ لوہانہ پہلے

''بدھ مت'' سے تعلق رکھتے تھے۔ تعلیم یافتہ تھے اور مندروں میں سونے چاندی اور ہیرے جواہر کی رکھوالی کرتے تھے اور تاجر تھے یہ لوگ محمد بن قاسم کے زمانے میں مسلمان ہوئے تھے۔ لفظ ''میمن'' کے بارے میں وہ لکھتے ہیں سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب تجارت ہے اور ''من'' کا مطلب ہوتا ہے ہیرے جواہرات۔ وہ ہیرے جواہرات کی تجارت کرتے تھے اس سے میمن لفظ بنا۔[۲۲]

اسحاق ابراہیم اور حبیب لاکھانی کے مطابق

مصنف اسحاق ابراہیم اور تاریخ نویس حبیب لاکھانی کے مطابق لوہانہ ۱۵۸۳ء کے قریبی عرصے میں حضرت سید شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں ریاست کچھ میں مسلمان ہوئے تھے۔[۲۳]

مولانا عبدالقدوس ہاشمی اور ابراہیم شہباز کے مطابق

مولانا عبدالقدوس ہاشمی مرحوم اور ممتاز گجراتی محقق ابراہیم شہباز کی رائے کے مطابق میمن برادری کا تعلق افغانستان کے شہر میمنا سے ہے۔[۲۴]

دانشور کریم بخش خالد کے مطابق

مشہور دانشور کریم بخش خالد ماہنامہ *اظہار* اپریل ۱۹۸۲ء میں لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کے لشکر میں بنوتمیم قبیلے کے لوگ تھے جن کا تعلق فوج کے دائیں حصے سے تھا۔ جنہیں ''میمنا'' کہتے تھے جن میں بہت سے لوگ آج کل جہاں ضلع ٹھٹھ موجود ہے وہاں آباد تھے۔ ان کا کپڑے بننے کا کاروبار تھا ان کے ساتھ مقامی نومسلم قبیلے بھی رہتے تھے جن کا کاروبار بھی کپڑے بننے کا تھا اور انہیں بھی میمن کہا جاتا تھا۔[۲۵]

اساس میمن قوم میری نگاہ میں

تاریخ کے طالب علم ہونے کے ناطے اور میمن برادری کی تاریخ کی تحقیق کے دوران میمن قوم کی اساس اور اس کی ابتداء سے متعلق، مصنف، دانشور، ادیب اور اعلیٰ قدر شخصیات سے انٹرویو، میمن برادری سے مختلف رسائل جن میں، *میمن عالم*، *میمن ٹکلیٹن*، *میمن ویلفیر ممبئی*، *رابطہ ممبئی*، مختلف جماعتوں اور اداروں کے جریدے، سالانہ رپورٹس اور دوسرے مواد سے اور ان تاریخی کتب کا بغور مطالعہ کے بعد جو نکات سامنے آئے ہیں اُن کے مطابق یہ کہ

☆ آیا ''میمن'' لفظ کی ابتداء ''مامون'' سے ہوئی یا موجودہ میمن قوم سے پہلے بحثیت ہندو قوم وجود میں آئی؟

☆ ''میمن'' کا تعلق ''میمنا'' سے ہے مسلمانوں کی فوج کے دائیں حصے سے متعلق تھا یا افغانستان کے شہر

''میمنا'' سے ہے؟

☆ آیا کسی بزرگ کی طرف سے ہندو یا تریوں کو کسی معجزے کی وجہ سے قافلے والوں کا مسلمان ہونا اور اُن کو ''مومنا'' یا ''مومن'' کا خطاب دینا؟

☆ ابرار الحق کے مطابق میمن قوم کا پیر یوسف الدین کے ہاتھوں اسلام قبول کرنا۔

''مامون سے میمن''

سب سے پہلے ہم جائزہ لیتے ہیں کہ کیا میمن ''مامون'' لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔اس سلسلے میں ''تاریخ کچھ ومکران معہ حالات میمنان'' میں مرزا کاظم برلاس نے میمن قوم کے بارے میں انتہائی گمراہ کن باتیں لکھی ہیں جو اُن کی کتاب سے ایک اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

''اس گروہ کے بعض حضرات صوفی اور عرب کی نسل سے ہیں۔اس بنیاد پر اپنے آپ کو بعض دیگر نومسلم اقوام ہندوستان سے کسی قدر دور کھینچ کر ممتاز بنتے ہیں۔ بلکہ اس بیہودہ خیال کا یہاں تک اثر ہوا ہے کہ سوائے اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو لفظ لوک کے نام سے پکارتے ہیں اور خود کو شریف سمجھتے ہیں۔ عام مسلمان کو ان سے مستفیض نہیں کرتے۔''

مصنف کی مندرجہ بالا تحریر سے میمنوں کے بارے میں اِن کے تعصب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ میمن قوم ہر دور میں انسانیت کی خدمت بغیر کسی تفریق کے کرتی رہی ہے چاہے وہ عہد قدیم لوہانوں کا دور ہو یا موجودہ دور آپ کو میمن برادری کے ایسے سینکڑوں پروجیکٹ ملیں گے جس میں میمن بلا امتیاز بنی نوع انسان کی خدمات انجام دے رہے ہیں جو مصنف کی اس بات کی نفی کرتے ہیں۔ مرزا کاظم برلاس نے اپنی کتاب میں کچھ کو مکران کا دارالسلطنت بتایا ہے جو صریحاً غلط ہے کچھ مکران سے قطعی الگ علاقہ ہے۔اس کے علاوہ بھی ایسی بہت سی تاریخی غلطیاں ہیں جو میمنوں کو ''مامون'' ہونے کی نفی کرتی ہیں۔

دوسری بات جو مصنف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ کہ میمن عرب نسل سے نہیں ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ میمنوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عرب نسل سے ہیں۔برِصغیر میں اسلام قبول کرنے والی قوموں میں میمن اگر واحد نہیں تو ان محدود چند قوموں میں سے ایک ضرور ہے جس نے غلط اور من گھڑت قصوں کے ذریعہ اپنے آپ کو اسلام کے اولین دور کے مشاہیر کی پشت ثابت کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ بلکہ وہ تو اس خیال کے قائل ہیں کہ وہ سندھ کی لوہانہ نسل سے ہیں۔آج بھی میمن قوم میں بہت سے ایسے نام اور خاندانوں کے رہن سہن اور رسم و رواج میں یکسانیت

پائی جاتی ہے۔ جو قدیم لوہانہ قوم سے مطابقت رکھتی ہیں۔

اس کے علاوہ مصنف نے میمن قوم کو جنگجو قوم بتایا ہے۔ جبکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ میمن قوم ہمیشہ امن پسند لڑائی جھگڑوں سے دور صلح جو تجارت وصنعت اور کاروبار سے وابستہ قوم ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی گوشے میں چلے جائیں اگر وہاں پر صرف اتنا معلوم ہو کہ آپ کا تعلق میمن قوم سے ہے۔ تو وہاں پر جس عزت وقار سے آپ کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے یہ بات میمن قوم کے کردار کی عکاسی کرتی ہے اور مصنف کی بات کی نفی کرتی ہے۔ جب کہ مصنف نے کتاب میں بے شمار حقائق کو توڑ مڑور کر پیش کیا ہے

اس طرح عبدالرحمٰن اسیر کی تحقیقی کتاب اساس میمن قوم میں میمن قوم کو مامون بتایا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ان کی اس بات کو صحیح تصور کر بھی لیں تو آج میمن قوم کو تجارت اور انسانیت کی فلاح کے کاموں کے بجائے منفی اور جنگ وجدل اور شاہی سیاست کے اُمور میں آگے ہونا چاہیئے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ آباواجداد کے اثرات نسل درنسل چلتے ہیں۔ جبکہ میمن قوم سیاست، لڑائی جھگڑوں والے کاموں کے بجائے مذہبی معاملات اور دوسرے ایسے معاملات جس میں فلاحی اُمور تعلیم صحت عامہ اور ایسے مسائل جس کا روزمرہ زندگی میں انسان کو سامنا ہوتا ہے، اُس کے حل کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ دوسرے یعنی بلاتفریق حقوق العباد جس کا عملی مظاہرہ ہمارے اردگرد ایسے سینکڑوں میمن فلاحی اداروں کی خدمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

''مینا سے میمن''

مینا سے میمن کے تعلق کے بارے میں بات بھی اوپر دیئے ہوئے دلائل سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہ قوم افغانستان سے ہجرت کر کے آئی یا عرب نسل بنو تمیم سے ہے۔ یا فوج کے دائیں حصے سے متعلق ہے تو یہ بات یہاں صادق نہیں آتی ہم سب جانتے ہیں کہ افغانستان جغرافیہ محل ووقوع کے لحاظ سے سخت اور سنگلاخ پہاڑی علاقہ ہے اور وہاں پر بسنے والے لوگوں پر اُس کے اثرات ہوتے ہیں۔ ہم اپنے اردگرد افغانستان اور اُس سے متعلقہ علاقوں کے رہنے والوں کو دیکھیں تو اُن کی کئی پشتیں کراچی میں رہنے کے بعد بھی ان کی شناخت واضح ہو جاتی ہے۔ دوسری بڑی چیز اُن کے معاشرتی، سماجی اور خاندانی نظام سے بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ میمن قوم اور افغانستان کے رہن سہن اور ثقافتی ورثے میں زمین آسمان کا فرق ہے اور کسی صورت میں مماثلت نہیں رکھتے۔ جب کے اُس کے برعکس آج بھی میمن قوم مکمل طور پر سندھ کی ثقافت کے قریب تر ہے جبکہ اُس نے چار سے پانچ سو سال تک کاٹھیاواڑ، گجرات، کچھ اور اوکھا میں رہنے کے بعد کراچی میں ہجرت کی۔ جب آج بھی بہت سے خاندانوں اور انفرادی ناموں میں مطابقت پائی جاتی

ہے۔اور اسی طرح ثقافتی طور پر بھی نہ وہ عرب یا افغان دونوں سے بہت مختلف اور سندھی تہذیب کے قریب تر ہے۔ جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ میمن قوم کا تعلق سندھ کے لوہانوں سے ہے۔

''مومنا'' سے ''میمن'' یا کسی بزرگ کی طرف سے ہندو یاتریوں کو کسی مُعجزے کی وجہ سے قافلے والوں کا مسلمان ہونا''

ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ میمن قوم جنگ و جدال کے بجائے مذہب وامن شانتی اور دین اور بزگان دین سے محبت کرنے والی قوم ہے۔لہذا اب ان دو باتوں میں سے ایک ہوسکتی ہے کہ آیا میمن قوم کسی بزرگ کی طرف سے قافلے والوں کے کسی معجزے کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔اس سلسلے میں تاریخ میں ہمیں تین ایسے قصے یا واقعات ملتے ہیں جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔جس میں سب سے پہلا قصہ ۱۷۶۱ء میں فارسی میں شائع ہونے والی کتاب میرات احمدی سے ہے جس میں پیر امام الدین کے ہاتھوں قافلے والوں کا مسلمان ہونا اور اُسے ''مومنا'' کا خطاب دینا ہے۔جو بعد میں میمن بن گیا۔یاد رہے کہ اس کی سن تاریخ ۱۵ ۸ء کے قریب قریب ہے۔اور واقعہ کا مقام پیرنا ہے۔

دوسرے واقعہ کا تعلق نگر ٹھٹھ سے اور سن تاریخ ۸۰۰ء کے قریب قریب ہے اور اِس میں جس بزرگ ہستی کا ذکر ہے اُن کا نام پیر پٹھ ہے۔اس قصہ کے سلسلے میں ایک قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس قصہ میں ایک قافلہ پنجاب سے کاشی جا رہا تھا اس کا سیدھا راستہ پنجاب سے سیدھے اتر پردیش کا تھا جہاں کاشی واقع ہے۔پھر وہ پنجاب سے نگر ٹھٹھ کیوں گئے۔جب کہ یہ سفر پیدل اور راستہ طویل تھا۔اس طرح ان کو سندھ اور راجستھان کے رن (ریگستان) سے گزرنا پڑتا اگر ان کو دوار کا جانا ہوتا تو بات کچھ سمجھ میں آتی لیکن یہاں تو گنگا کا بھی صاف ذکر ہے جو کاشی (موجودہ بنارس) کے قریب ہے تو پھر پنجاب سے کاشی جاتے ہوئے نگر ٹھٹھ راستے میں کہاں سے آگیا؟ جغرافیہ کے صرف اس نکتہ پر اس پورے قصے کی سچائی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔تیسرا قصہ کتاب *تحفتہ الزائرین* میں بھی تقریباً اس سے ملتی جلتی بات ہے اور یہاں پر جس بزرگ ہستی کا ذکر ہے وہ ہیں سید حضرت عبداللہ شاہ اصحابی (*مکلی شریف*) اور اِس میں بھی وہی تاریخی غلطیاں ہیں جنکا اوپر ذکر ہوچکا ہے، جس کی وجہ سے اس قصے کی صحت کے بارے میں ابہام ہوتا ہے۔

کیا *ابرازالحق* کے مطابق میمن قوم کا پیر یوسف الدین کے ہاتھوں اسلام قبول کرنا میمنوں کی اساس ہے؟

مندرجہ بالا کتب اور حوالہ جات کے مصنفین نے میمن قوم کے آغاز سے متعلق جو رائے زنی کی ہے۔اس کے برعکس سید امیر الدین نذہت کی تصنیف *ابرازالحق* کی رائے زیادہ وزنی اور حقیقت سے زیادہ قریب تر معلوم ہوتی ہے۔ گو کہ *ابرازالحق* میں بھی کچھ غلطیاں موجود ہیں۔لیکن اُس کا میمنوں کی ابتداء کے واقع پر براہ راست تعلق نہیں بنتا بلکہ وہ ثانوی حیثیت کی ہیں۔اس کتاب کو برطانوی حکومت ہند کے بمبئی گزیٹر کے مولفہ جیمسن کیمبل نے اتنا مشہور کردیا کہ

آج تک میمن قوم کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں *ابرازالحق* کا حوالہ ضرور ملتا ہے۔ ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی مشہور کتاب The Preaching of Islam میں آرنلڈ نے بمبئی گزیٹیر مولفہ جیمس کیمبل کے حوالہ سے یہ بیان نقل کیا ہے جو *ابرازالحق* سے نقل کیا گیا ہے۔

> ''ان مبلغوں میں سید یوسف الدین ایک مشہور بزرگ تھے جو حضرت عبدالقادر جیلانی کی نسل سے تھے۔ آپکو خواب میں بشارت ہوئی کہ بغداد سے ہندوستان جا کر وہاں کے لوگوں کو دین اسلام سے مشرف کریں۔ چنانچہ آپ ۱۴۲۲ء میں سندھ میں تشریف لائے اور دس سال کی محنت وکوشش کے بعد ہندو لوہانہ ذات کے سات سو خاندانوں کو مشرف بہ اسلام کرنے میں کامیاب ہو گئے۔''[۲۶]

جناب عمر عبدالرحمٰن کھانانی اعزازی مدیر ماہنامہ *میمن عالم* کے مطابق '' آج سے سات سو سال پہلے اندرون سندھ نگر ٹھٹھ میں حضرت غوث الاعظم کے سلسلے کے پیر یوسف الدین قادری جن کے ہاتھوں سات سو لوہانہ خاندان مسلمان ہوئے جن کو پیر صاحب نے مومن کا خطاب دیا جو خاندان مسلمان ہوئے جو رفتہ رفتہ مومن سے ''میمن'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں اسماعیل امریلی والا کی کتاب *میمن تواریخ* کولمبیا یونیورسٹی کی ۱۹۶۲ء میں شائع شدہ اشتیاق حسین قریشی کی کتاب *دی مسلم کمیونٹی آف انڈو پاک* سب کانٹیننٹ سید قاسم محمود کی *اسلامی انسائیکلوپیڈیا* اور ہاشم زکریا کی کتاب *تذکرہ میمن قوم* کے علاوہ دیگر کتابوں میں *ابرازالحق* میں تحریر کیا ہوا واقعہ کو میمن قوم کی اساس قرار دیا گیا ہے۔

میمن قوم کی سندھ سے ہجرت

میمن قوم کی ہجرت کے سیاسی و معاشی اسباب

۱۴۲۱ء میں جب میمن قوم نے دین اسلام قبول کیا تو اُس وقت جنوبی سندھ کا حاکم سمہ خاندان کا جام تغلق بن سکندر تھا اِسی سمہ عہد حکومت میں امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا، امیر تیمور کے حملے کی وجہ سے دہلی کی سلطنت کا نظام درہم برہم ہو گیا اور سلطان محمود کے امراء اور سرداروں میں سے جس نے جہاں قدم جما لیئے اپنے آپ کو ہندوستان کا شہنشاہ تصور کرنے لگے۔[۲۷] سمہ خاندان کا حکمران جام تغلق بن سکندر حاکم جنوبی سندھ کے بعد جام سکندر بن فتح خان نے وہاں پر ڈیڑھ سال تک حکومت کی جس کے بعد تخت کا کوئی وارث نہ دیکھ کر جام رائے ڈلہ جو جام تغلق بن سکندر کے زمانے میں ریاست کچھ میں رہتا تھا اور جس کے تعلقات وہاں کے لوگوں کے ساتھ بہت گہرے تھے۔ ریاست کچھ سے لشکر جمع کر کے جنوبی سندھ آ پہنچا، سمہ قوم کے سرداروں نے متفقہ طور پر اسے جنوبی سندھ کا حاکم تسلیم کر لیا، جام رائے

ڈلہ نے آٹھ سال تک حکومت کی، بالآخر اسے اس کے ایک معتمد سردار جام سنجر نے شراب میں زہر دے کر ہلاک کر دیا اور خود جنوبی سندھ کا حاکم بن گیا۔ جام سنجر ۱۴۵۹ء میں تخت نشین ہوا، اس کے آخری دور میں جنوبی سندھ کی سلطنت انتہائی کمزور ہوگئی اور پورے جنوبی سندھ میں افراتفری پھیل گئی۔ ٹھٹھہ جو جنوبی سندھ کی تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا تباہ و برباد ہو چکا تھا اور گجرات کے ساتھ تجارت بند ہو جانے کی وجہ سے جنوبی سندھ کی تجارت قریب قریب ختم ہوگئی اور اقتصادی حالات تباہ ہوگئے۔ جام سنجر کا آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد انتقال ہوا، جس کے بعد جام نظام الدین عرف جام نندا سندھ کا حکمران بنا، وہ ایک متقی اور پرہیزگار انسان تھا، اس کے بعد ۱۵۰۹ء میں اس کا بیٹا جام فیروز تخت نشین ہوا، ۱۵۲۰ء میں مرزا شاہ بیگ ارغون نے جنوبی سندھ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا، ۱۵۲۲ء میں مرزا شاہ بیگ کا انتقال ہوا اور اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ حُسین تخت نشین ہوا، اُس نے دہلی کے مغل بادشاہ بابر کے نام کا خطبہ پڑھا، جس کے ذریعہ اس نے بابر کی ماتحتی کا اعلان کیا، چنانچہ ۱۵۴۱ء میں شہنشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر سندھ میں ۲۸ رمضان، ۱۵۴۱ء میں بھکر (موجودہ سکھر) پہنچا، ہمایوں کے ساتھ دو لاکھ کا لشکر تھا، چنانچہ اس کے قیام کی وجہ سے سندھ میں بے انتہا گرانی ہوئی اور اشیائے خورد و نوش کی سخت قلت اور لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سندھ کے اقتصادی اور معاشی حالات جام سنجر کے دور میں ہی مخدوش ہو گئے تھے اس کے بعد حالات اور ہمایوں کی دو لاکھ فوج کے ساتھ سندھ میں آمد وہاں کے زیادہ تر علاقوں کا اُجڑ کر ویران ہو جانے کا باعث بنا، اسی دور میں میمن قوم کی بڑی تعداد سندھ سے ہجرت کر کے کچھ کاٹھیاواڑ اور گجرات میں جا کر مستقل آباد ہوئی۔ ۲۸

میمن قوم کی سندھ سے ہجرت کے سماجی اسباب

لوہانہ قوم کے سات سو خاندان کی پیر یوسف الدین کے ہاتھوں مسلمان ہونے کے بعد وہاں پر آباد ہندو لوہانہ قوم کو زبردست تشویش لاحق ہوئی اور بہت سے سردار اس وقت کے مذہبی پیشواؤں کے پاس پہنچے اور صورتحال سے آگاہ کیا، اُس وقت ان کے چار بڑے پیشوا، جوشی ٹیک مل، جوشی اودھول، جوشی نند مل، اور جوشی مال مل، کی قیادت میں ایک زبردست اجتماع کیا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ لوہانہ اپنی بہو، بیٹیوں کو جو نومسلموں سے تعلق رکھتی تھیں اور اس قرابت کی وجہ سے ہندوؤں کی تحویل میں تھیں نومسلموں کے حوالہ نہ کریں تا کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اس سلسلے میں ان چاروں نے سمندر کے کنارے پوجا اور ہوم کر کے اطمینان دلایا کہ اب پیر صاحب زیادہ دن یہاں نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ لوہانہ قوم دریا دیو پر عقیدہ رکھتی تھی۔ ۲۹

> The Hindu relatives of the converted Lohanas called on their spiritual guides to pray to Darya Pir the Indus spirit to remove the saint. The Indus spirit heard their prayer. The saint refused a

> grant of land and after receiving his followers' assured that they would continue to support his descendants as their religious heads. Esuf-ud-din retired by sea to Iraq. Before leaving he blessed his people, a blessing to which the Memons trace their fruitfulness and their success in trade.[۳۰]

دین اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ہندو لوہانہ قوم ہی نہیں بلکہ ٹھٹھہ کی تمام ہندو قوموں کے افراد کے دلوں میں نومسلموں کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہوا اور مذہبی حیثیت کی بناء پر انہیں اپنا دشمن تصور کرنے لگے، اس کے ساتھ ساتھ بہت سے رشتے ٹوٹ گئے اور قدیم آبائی رشتوں، ناطوں اور تعلقات کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے نومسلموں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ انہوں نے پیر سید یوسف الدین سے مشورہ طلب کیا، پیر صاحب نے انہیں ٹھٹھہ سے ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، اس مشورہ پر عمل پیرا ہو کر نومسلم میمن افراد ٹھٹھہ سے ہجرت کر کے قریب "قصبہ وریا" میں جا کر آباد ہوئے۔

نومسلم میمن قوم نے کچھ عرصے قصبہ وریاہ میں قیام کیا، اس زمانے میں ٹھٹھہ اور اس کے گرد و نواح کا انتظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں کشمیر کے سلطان علی شیر کے حملہ کی وجہ سے ٹھٹھہ اُجڑ کر ویران و برباد ہو گیا ہر طرف سیاسی ابتری اور معاشی بدحالی اور دوسری طرف ہندوؤں کی طرف سے سوشل بائیکاٹ جیسے مسائل نے میمن قوم کو کچھ، کاٹھیاوار اور گجرات کی طرف ہجرت پر مجبور کیا۔[۳۱]

سندھ-کچھ تعلقات

قدیم تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ریاست کچھ کا موجودہ خطہ کسی زمانے میں سندھ ہی کا حصہ تھا۔ ۳۲۳ ق م میں سکندر اعظم سندھ میں آیا تو اس وقت یہ علاقہ سمندر کا حصہ تھا اور اس میں دریا کا پانی آتا تھا۔ ریاست کچھ کی ارضیاتی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کچھ کے ساحل پر کئی بندرگاہیں تھیں اور یہ علاقہ جزیرہ نما تھا اور موجودہ سندھ میں دو دریائی سلسلے کا حصہ تھا، ''ایک دریا سندھ'' اور ''دوسرا ہاکڑا HAKRA یا سرسوتی SARESWATI دریا''، مگر ۱۲۲۶ء میں خشک ہو جانے پر اور جو رن کچھ کے ریگستان میں تبدیل ہونے کی وجہ سے یہ روابط منقطع ہو گئے۔ اُس زمانے میں موہنجوڈاڑو اور ریاست کچھ کا فاصلہ تقریباً ۶۰ میل تھا جو بیل گاڑیوں سے بہ آسانی طے ہو جاتا تھا۔ رن کچھ کا مغربی حصہ علی بندر سے کوڑی شاخ تک بہت زرخیز تھا۔ اس دور میں سندھ سے ریاست کچھ تک بکثرت آمد و رفت ہوتی تھی اور بیچ میں کوئی صحرا حائل نہ تھا۔ ان دنوں پوران دریا کے ذریعے لکھپت سے عمرکوٹ تک ایک اچھی آبی شاہراہ موجود تھی۔ لکھپت سے تیس میل اور علی بندر سے بیس میل کے فاصلے پر کچھ

ریاست کی سندری نامی سرحدی چوکی تھی، جہاں سے محصول وصول کیا جاتا تھا۔[۳۲]

ریاست کچھ کا قدیم نام "ابیر دیش ABHIR DESH" تھا اور جس کا پایا تخت بھج تھا۔ بنجر اور غیر آباد ہونے کی وجہ سے اسے کوئی خاص سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی اور وہاں پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں، ان ریاستوں کے ہندو راجہ اور زمیندار حکمران گجرات کے حکمرانوں کے باجگوار تھے۔[۳۳] ۱۳۵۱ء میں سمہ خاندان نے سندھ اور کچھ دونوں جگہوں میں اپنی حکمرانی ''جام'' کے لقب سے قائم کی۔ ریاست کچھ اُس وقت (۷،۶۱۶) سات ہزار چھ سو سولہ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی، اور اُس کے آٹھ بڑے شہروں میں، بھج، انجار، مانڈوی، مسدرا، نالیا، جاکھاہو، بچاہو، راپر کے علاوہ ''۹۳۷'' گاوں پر مشتمل تھی۔[۳۴] ۱۵۴۰ء میں ریاست کچھ پر جام حمیر جی حکمران تھا، جام راول دھوکے سے جام حمیر جی کو قتل کر کے خود ریاست کچھ کا حکمران بن گیا۔ حمیر جی کا بیٹا راو کھینگار نے اس سلسلے میں گجرات کے مسلم حکمران سلطان محمود بیگڑا سے مدد مانگی اُن دنوں سلطان جونا گڑھ اور کاٹھیاوار میں مسلمانوں کو ہراساں کرنے والے حکمرانوں کا احتساب کرنے نکلا ہوا تھا۔ اُس سے فارغ ہو کر اُس نے ریاست کچھ میں جام راول کی حکومت کو ختم کر کے راؤ کھینگار کی حکومت قائم کردی۔[۳۵] وہ ریاست کچھ میں سلطان محمود بیگڑا کی حاکمیت تسلیم کر کے وہاں کا والی بن گیا، اور اپنے نام کے ساتھ راؤ کا لقب لگانے لگا۔

راؤ کھینگار نے ریاست کچھ پر اپنا مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے بعد ریاست کی ترقی کے اقدامات پر توجہ دی۔ تجارتی اور معاشی بہتری کے لئے سندھ میں اُسے اپنے خاندان (سمہ) کی حکمرانی میں میمن قوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا اور اُس میں سے کچھ کے ساتھ اُس کے گہرے تعلقات تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ قوم انتہائی محنتی، اور تجارت وزراعت میں مہارت رکھتی ہے جس کی وجہ سے یہ جہاں بھی آباد ہوتے ہیں وہ علاقے معاشی طور پر خوشحال ہوجاتے ہیں، اور جو حکمرانوں کی بھی وسیع آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں، اس کے علاوہ اُس وقت سندھ کے سیاسی و معاشی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے راؤ کھینگار نے میمن قوم کو ریاست کچھ میں آباد ہونے کی دعوت دی۔ راؤ کھینگار کی طرف سے آئی ہوئی اس دعوت پر میمن قوم نے سندھ کے نامساعد حالات کی وجہ سے ریاست کچھ میں ہجرت کی اور ''کنا سیٹھ'' کی سربراہی میں ۱،۷۸۶ افراد کا قافلہ ہجرت کر کے ریاست کچھ کے مختلف علاقوں میں آباد ہوا۔[۳۶] راؤ کھینگار نے اپنے دربار میں ''کنا'' کو انتہائی عزت دی اُسے ''سیٹھ'' کے خطاب سے نوازہ اور وہاں کی روائتی پوشاک عطا کی، اور اپنی حکمرانی میں ہمیشہ اپنے قریبی ساتھیوں میں رکھا۔ اس واقعہ کا ذکر جناب غلام رسول مہر نے تاریخ سندھ کی جلد ششم عہد کلھوڑہ حصہ دوم کے صفحہ نمبر ۶۲۵/۶۲۴ پر لکھا ہے۔

''نویں صدی عیسوی میں سندھی مسلمانوں کی ایک جماعت مقامی سیاسی ہنگاموں کی بنا پر مجبور ہو کر اپنے وطن سے نکلی اور کچھ پہنچ گئی۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ پورے کچھ کے مالک بن گئے۔''[۳۷]

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے پیر یوسف الدین کے ہاتھوں لوہانہ قوم کے ۷۰۰ خاندان اپنے پٹیل (سردار) ''مانک جی'' اور ان کے بیٹے ''ریوجی'' جس کا اسلامی نام ''احمد'' رکھا۔ احمد کے تین بیٹوں میں سے دو نے اسلام قبول کیا، جس میں ''سندر جی'' حضرت صاحب نے جس کا نام ''آدم'' رکھا اور ''ہنسراج'' جس کا نام ''تاج محمد'' رکھا جس کا بیٹا ''کنا سیٹھ'' سے مشہور تھا اور جس کی سربراہی میں میمن قوم کی بڑی تعداد ریاست کچھ میں ہجرت کر کے آباد ہوئی جبکہ میمن قوم کے پہلے امیر آدم سیٹھ ان کے تینوں بیٹوں نے اپنی پوری زندگی ٹھٹھہ کے قریب وریا قصبہ میں جو ٹھٹھہ سے ہجرت کے بعد مکان تعمیر کرایا تھا اُس میں پوری عمر گزار دی، آپ وہاں پر گھی کی تجارت سے وابستہ تھے۔[۳۸] ۱۵۴۰ء میں سندھ سے میمن قوم کی ہجرت کے وقت ریاست کچھ کے علاوہ بہت سے میمن خاندان گجرات اور کاٹھیاوار کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے۔ جس میں قیاس ہے کہ ''لدھا'' نام کے بزرگ کی سربراہی میں میمن قوم کے بہت سے خاندان سندھ سے ہجرت کر کے گجرات میں آباد ہوئے۔ کیونکہ سترویں صدی عیسوی میں سورت تجارتی اور معاشی عروج پر تھا اور اُس کے عروج کے دور میں دوسری قوموں کے ساتھ میمن قوم کا ذکر بھی ملتا ہے جس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ ''لدھا'' کے ساتھ آنے والے میمن قوم کے وہ خاندان سورت میں آباد ہو گئے ہوں۔ جو سورت کی تباہی کے بعد بمبئی میں جا کر مستقل آباد ہوئے۔[۳۹]

ابرار الحق کے مطابق ریاست کچھ میں ''کنا سیٹھ'' اور سندھ سے ان کے ساتھ آئے ہوئے میمن خاندانوں کی بہت تعظیم کی جاتی تھی۔ ریاست کچھ میں سب سے پہلے انہوں نے وہاں مسجد تعمیر کروائی، بعد میں کنا سیٹھ کے بیٹے میمن نے بھی مزید ایک مسجد تعمیر کرائی اور وہ جہاں پر مقیم تھے اس علاقے کا نام میمن محلہ مشہور ہوا۔ حضرت یوسف الدین کی نسل سے ایک بزرگ ریاست کچھ تشریف لائے تو اسی مسجد میں انہوں نے قیام فرمایا تھا چنانچہ اس مسجد کا نام پیر والی مسجد مشہور ہے۔ میمن قوم کی سب سے بڑی خاصیت ہے کہ وہ جہاں بھی قیام کرتے ہیں وہاں سب سے پہلے ''اللہ کا گھر''، یعنی مسجد تعمیر کرواتے ہیں اور یہ قوم اسلام قبول کرنے سے آج تک اُس پر عمل پیرا ہے۔ یہ قوم ہمیشہ بزرگانِ دین سے عقیدت اور لگاؤ رکھتی رہی ہے بھج میں بھر والے پیر صاحب کی آمد ہوئی تو اس وقت کے راجہ راؤ نے ان کا خیر مقدم کیا اور خود ان کے یہاں حاضری دی اور ان سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ نے وہاں پر اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ وہاں کے لوگوں کے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے میں نمایاں کام کیا جس کی وجہ سے میمن قوم کے ساتھ ساتھ وہاں کے دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اِن کے معتقد ہوئے اور پیر کی خدمت کرنا انہوں نے اپنے اوپر لازم کرلیا۔

بھیروالے پیر صاحب کا مزار آج بھی بھج میں واقع ہے۔ انہوں نے میمن قوم کو یہ تلقین کی تھی کہ وہ تجارت کی غرض سے بمبئی؛ کلکتہ، مدراس، مالا بار کی طرف روانہ ہوں کیونکہ سفر کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے اس ہدایت کے مطابق انیسویں صدی کے اوائل میں اپنی تجارت کے مقصد سے میمن قوم رفتہ رفتہ بمبئی، کلکتہ، مدراس اور مالا بار میں ڈیرے ڈالنے لگے جو اس وقت برطانوی حکومت کی اہم بندرگاہیں اور تجارتی مراکز تھے۔[۴۰]

راولاکھاجی کی میمن قوم کے ساتھ زیادتیاں

۱۷۴۵ء میں راو لاکھا جی ریاست کچھ کا حکمران بنا۔ یہ انتہائی ظالم اور اوباش شخص تھا۔ ریاست کچھ کے اس ظالم حکمران نے اپنے باپ راو دیسل تک سے انتہائی زیادتیاں کی تھی اور اُس کو دس برس قید میں رکھا تھا، اور اپنے باپ کے وزیر دیوکرن کو قتل کروادیا اور اُس پر الزام لگایا کہ رانی (والدہ راو لاکھا) کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات ہیں۔[۴۱] تاریخ میں جنگ جارا جو سندھ - کچھ تعلقات میں ایک اہم واقعہ سمجھا جاتا ہے یہ جنگ سندھ کے حکمران میاں غلام شاہ کلہوڑہ اور راوگوڈجی کے درمیان لڑی گئی تھی اُس کی بنیادی وجہ بھی راولاکھاجی ہی تھے[۴۲]۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا اُس نے اپنے باپ کے جس وزیر کو قتل کروادیا تھا اُس کے ایک بیٹا پونجا سیٹھ نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیئے میاں غلام شاہ کلہوڑہ کو کچھ پر حملہ کرنے پر اُکسایا تھا۔ اس دوران راولاکھاجی کی اوباش طبعیت اور ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے وہاں پر آباد میمن قوم کو بھی کافی پریشانیوں کا سامنا تھا[۴۳]۔ جیسا پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ جام راوَل جام حمیر جی کو قتل کر کے خود ریاست کچھ کا حکمران بن گیا تھا جیسے حمیر جی کے بیٹے راوَ کھینگار نے گجرات کے سلطان محمود بیگڑا کی مدد سے جام راوَل کی حکومت کو ختم کر کے راوَ کھینگار کی حکومت قائم کی۔ جس کے بعد ۱۵۴۰ء بمطابق ۹۴۷ھ میں جام راول کے بیٹے جام ہالو جی (Haloji)، جام راوَجی (Ravoji) اور جام موڈ جی (Modji) نے جاڈیجا ہالار راجپوت ریاست کی بنیاد نوانگر موجودہ جام نگر میں قائم کی۔ ریاست کچھ میں میمن قوم کی پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے جام نگر کے حکمرانوں نے میمن قوم کو اُن کے یہاں آکر آباد ہونے کی پیشکش کی۔[۴۴]

ریاست ہالار میں میمن قوم کی آمد

ریاست کچھ کے علاقے ''ویزان اسمبیا'' (Vizan Asambia) میں راوَ راجہ ''لاکھا جی'' نے اپنے ساتھیوں سمیت میمن برادری کو ہر قسم کی پریشانی اور تکالیف پہنچانے کی انتہا کردی۔ جیسا اوپر بیان کیا کہ ریاست ہالار اور ریاست کچھ کے تعلقات ہمیشہ سے ہی کشیدہ رہے۔ اور ریاست ہالار کے حکمرانوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح میمن برادری ان کے یہاں آکر آباد ہوجائے تاکہ ان کی ریاست بھی معاشی اور تجارتی ترقی میں اس

برادری کے تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکے۔اس سلسلے میں جام حکمرانوں نے ریاست کچھ میں آباد میمن قوم کے بزرگوں کو جام نگر میں آباد ہونے کی پیشکش کی تھی. جب انہیں معلوم ہوا کہ وہاں پر آباد میمن خاندانوں کے ساتھ وہاں کے حکمران زیادتیاں کررہے جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہیں، اس بات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہوں نے میمن قوم کے بزرگوں اور معززین کو ایک بار پھر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔میمن قوم کے بزرگوں اور معززین کو ریاست کچھ کے راؤ ''لاکھا جی'' کی طرف سے زیادتیوں میں اضافے کی وجہ سے میمن قوم کی ایک بڑی تعداد ''ستار'' نامی بزرگ کی سربرائی میں ہجرت کر کے ریاست ہالار میں آباد ہوگئی۔۴۵ بچھ اور ریاست کچھ کے دور دراز علاقوں سے میمن خاندانوں نے ہجرت نہیں کی اور وہ وہیں پر آباد رہے اور وہ آج بھی ''کچھی میمن'' سے پہچانے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ سندھ سے ہجرت کرنے والے میمن خاندان اپنی سہولیات کے مطابق گجرات کے بہت سے علاقوں میں جا کر آباد ہوئے لیکن وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تھے اور وہ ایک دو خاندان پر مشتمل تھے جو اُن علاقوں میں جا کر خاموشی سے اپنی گزر اوقات اور کام کاج میں مصروف ہوگئے. جب ۱۵۰۷ء میں ریاست کچھ سے میمن قوم کی بڑی تعداد میں ہجرت اور اُن علاقوں میں آمد جہاں پر تھوڑے بہت میمن خاندان پہلے سے آباد تھے، وہاں پر تعداد کے اضافے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور خاندانوں کی نسبت سے اپنی جماعتیں بنانا شروع کردی جو آج میمن قوم کی مختلف برادریوں کے قیام کی وجہ بنی اس طرح میمن قوم میں برادریوں کا وجود عمل میں آیا۔

حوالہ جات

۱- علامہ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ص ۱۶۷-۱۶۸۔

۲- ول ڈیورانٹ ترجمہ تنویر جہاں، انسانی تہذیب کا ارتقاء، ص ۵۔

۳- عبدالمجید سندھی، میمن برادری، عبدالمجید ادبی اکیڈمی، لاڑکانہ، ۲۰۰۱ء، ص ۱۹۔

۴- ایضاً، ص ۵۸۔

۵- ایضاً، ص ۶۲۔

۶- سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ۱۳۸۰ء، الفیصل اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

۷- سید امیر الدین نزہت، ابرار الحق، طبع نامے واقع بمبئے بندر زیور طبع پوشیدہ، ۱۸۷۰ء، ص ۲۸۔

۸- اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، حصہ اول، ۴، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۸ء، ص ۵۔

۹- ایضاً، ص ص ۷۷، ۷۸۔

۱۰- ایضاً، ص ص ۸۰، ۸۱۔

۱۱- ایضاً، ص ص ۱۷۸، ۱۷۹۔

۱۲- Ansar Zahid, *History and Culture of Sindh*, Royal Book Depot, Karachi, 1980, pp.15-16.

۱۳- سید امیر الدین نزہت، *ابرار الحق*، ص ۱۱-۱۳۔

۱۴- مرآت آحمدی ترجمہ مولوی سید ابوظفر ندوی، *تاریخ اولیاء گجرات*، ص ص ۱۴۳، ۱۴۴۔

۱۵- ایضاً، ص ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

۱۶- شری ادھم جی تسی داس تنا، *لوہانہ قوم کی اساس*، ص ص ۱۹۱، ۱۹۲۔

۱۷- مفتی محمد طفیل احمد نقشبندی، *تحفۃ الزائرین*۔

۱۸- مرزا کاظم رضا برلاس، *تاریخ کچھ و مکران معہ حالات میمنان*، مطبوعہ الہند پریس، مراد آباد، ۱۹۰۵ء، ص ص ۳۱، ۳۴۔

۱۹- عبدالرحمٰن اسیر، *اساس میمن قوم*، میمن عالم ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷۔

۲۰- عبدالمجید سندھی، بحوالہ سابقہ، ص ۶۲۔

۲۱- Richard F. Burton, *Sindh & the Races that Inhabit the Valley of the Indus*, pp. 247-248.

۲۲- سراج الحق میمن، *میمن بلیٹن*، ۷۰-۱۹۷۱ء۔

۲۳- حبیب لاکھانی، *میمن قوم نی روپ ریکھا*، حبیب لاکھانی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۵۳۔

۲۴- مولانا عبدالقدوس ہاشمی، *ابراہیم شیباز*، میمن عالم، شمارہ نمبر-۵۰۰۔

۲۵- کریم بخش خالد، *ماہنامہ اظہار*، اپریل ۱۹۸۲ء۔

۲۶- سید امیر الدین نزہت، بحوالہ سابقہ، ص ۱۵، ۱۶۔

۲۷- Ansar Zahid, *op.cit.*, pp. 29-30.

۲۸- ایضاً، ص ص ۳۵، ۳۶۔

۲۹- سید امیر الدین نزہت، بحوالہ سابقہ، ص ۲۳۔

۳۰- سید امیر الدین نزہت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۰۔

۳۱- اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ حصہ دوم، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء، ص ۶۴۔

۳۲- James Burgess, *Archaeological Survey of Western India 1874-75, p. 202.*

۳۳- *Imperial Gazetter of India, 1908,* Vol - XI, pp. 77-78

۳۴- ایضاً، ص ۸۰۔

۳۵- James Burgess, *op-cit.*, p. 202:

۳۶- عبدالقادر موسیٰ دادانی، میگزین آل انڈیا کچھی میمن فیڈریشن ورلڈ کانفرنس ۱۹۹۳ء۔

۳۷- غلام رسول مہر، تاریخ سندھ جلد سوئم حصہ دوئم، عہد کلھوڑہ، ص ص ۶۲۴، ۶۲۵۔

۳۸- سید امیر الدین نزہت، بحوالہ سابقہ، ص ۲۵۔

۳۹- عبدالقادر موسیٰ دادانی، بحوالہ سابقہ، ۱۹۹۳ء۔

۴۰- ایضاً۔

۴۱- غلام رسول مہر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۶۲۴، ۶۲۵۔

۴۲- ایضاً، ص ص ۶۲۷، ۶۲۸۔

۴۳- عزیز کایاں، تاریخ بانٹوا، ص ص ۴۰، ۷۹۔

۴۴- James Burgess, *op.cit.*, p. 212.

۴۵- عزیز کایاں، تاریخ بانٹوا، ص ۸۶۔